بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ التوبہ

(۴)

(گذشتہ سے پیوستہ)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيۡنَ صَدَقُوۡا وَتَعۡلَمَ الۡكٰذِبِيۡنَ ﴿۴۳﴾

اللہ تم کو معاف کرے (اے پیغمبر)، تم نے (اِس سفر سے) اِنھیں رخصت کیوں دے دی؟ (تمھیں چاہیے تھا کہ ایسا نہ کرتے)، یہاں تک کہ تم پر کھل جاتا کہ کون سچے ہیں اور جھوٹوں کو بھی تم جان لیتے۔[۲۰۲]

۲۰۲۔ تبوک کے موقع پر جہاد کے لیے نفیر عام کا اصلی مقصد یہی تھا کہ جزا و سزا کے اِس مرحلے میں منافقین کے چہرے سے بھی نقاب الٹ دی جائے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کریم النفسی اور چشم پوشی اُن کے آڑے آئی اور آپ نے یہ جاننے کے باوجود کہ جو عذرات وہ پیش کر رہے ہیں، سب جھوٹے ہیں، اُنھیں قبول کر لیا اور رخصت دے دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہایت دل نواز اسلوب میں آپ کو اِس پر توجہ دلائی ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''... بات کا آغاز ہی عفو کے اعلان سے فرمایا کہ واضح ہو جائے کہ مقصود سرزنش اور عتاب نہیں، بلکہ توجہ دلا دینا ہے کہ منافقین تمھاری کریم النفسی سے بہت غلط فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ تم اپنی چشم پوشی کی وجہ سے اُن کے عذرات کو لاطائل سمجھنے کے باوجود اُن کو اجازت دے دیتے ہو جس سے وہ دلیر ہو جاتے ہیں کہ اُن کی مکاری کامیاب ہو گئی، حالاں کہ اگر تم اجازت نہ دیتے تو اُن کا بھانڈا پھوٹ جاتا۔ اُن کے جھوٹوں اور سچوں میں امتیاز ہو جاتا۔ تمھاری اجازت کے بغیر جو گھر میں بیٹھ رہتے، ہر شخص پہچان جاتا کہ یہ منافق ہیں، لیکن وہ تمھاری اجازت کو اپنے چہرے کی

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا
لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾
لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ
الْفِتْنَةَ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ

جو لوگ اللہ پر اور آخرت کے دن پر سچا ایمان رکھتے ہیں، وہ کبھی تم سے اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد سے رخصت مانگنے نہیں آئیں گے۔ اللہ اُن کو خوب جانتا ہے (جن کے عذر حقیقی ہیں اور) جو اُس سے ڈرنے والے ہیں۔ تم سے رخصت مانگنے تو وہی آتے ہیں جو اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جن کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں، سو اپنے اِسی شک میں بھٹک رہے ہیں۔ اگر وہ نکلنا چاہتے تو ضرور کچھ سامان کرتے، لیکن اللہ نے اُن کا اٹھنا پسند نہیں کیا، اِس لیے اُنھیں روک دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔[۲۰۳] ۴۳-۴۶

(حقیقت یہ ہے کہ) اگر یہ لوگ تمھارے اندر شامل ہو کر نکلتے تو تمھارے لیے خرابی ہی بڑھانے کا باعث بنتے اور اِن کی سب دوڑ دھوپ تمھارے درمیان فتنہ انگیزی کے لیے ہوتی۔ تمھارے اندر ایسے بھی ہیں جو اِن کی سن لیتے ہیں۔[۲۰۴] اللہ اِن ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ اِنھوں نے پہلے بھی فتنہ انگیزی کی

نقاب بنا لیتے ہیں۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۸۳)

۲۰۳؎ یہ توفیق کے باب میں سنت الٰہی کا بیان ہے اور اسلوب طنزیہ ہے۔ آگے کی بعض آیتوں میں یہ طنز اور بھی تیز ہو گیا ہے۔ مدعا یہ ہے کہ جب تم نے اٹھنا پسند نہیں کیا تو خدا نے بھی تمھیں اِس کی توفیق نہیں دی، بلکہ یہی پسند کیا کہ جاؤ گھروں میں بیٹھنے والے بوڑھوں، بچوں اور عورتوں کی طرح تم بھی بیٹھے رہو۔ تمھارے لیے یہی موزوں ہے۔

۲۰۴؎ یہ اُن سادہ لوح مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے جن کی سادہ لوحی کے سبب سے منافقین بالعموم اُنھیں چکما

قَبۡلُ وَقَلَّبُوۡا لَکَ الۡاُمُوۡرَ حَتّٰی جَآءَ الۡحَقُّ وَظَہَرَ اَمۡرُ اللّٰہِ وَہُمۡ کٰرِہُوۡنَ ﴿۴۸﴾
وَمِنۡہُمۡ مَّنۡ یَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّیۡ وَلَا تَفۡتِنِّیۡ ؕ اَلَا فِی الۡفِتۡنَۃِ سَقَطُوۡا ؕ وَاِنَّ جَہَنَّمَ

کوشش کی ہے اور تمھارے لیے معاملات کا الٹ پھیر کرتے رہے ہیں[۲۰۵]، یہاں تک کہ اِن کی مرضی کے خلاف حق آیا اور اللہ کا حکم ظاہر ہو گیا۔ ۴۷-۴۸

اِن میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے رخصت دیجیے اور مجھ کو فتنے میں نہ ڈالیے[۲۰۶] ـــــ سن لو، یہ

دینے میں کامیاب ہو جاتے اور اِس طرح فتنہ انگیزی کے لیے کچھ نہ کچھ راستہ نکال لیتے تھے۔

۲۰۵؎ قرآن کے مخاطبین اِن سب چیزوں سے واقف تھے، اِس لیے اُس نے صرف اجمالی اشارہ کر دیا ہے۔ استاذ امام امین احسن اصلاحی نے وضاحت فرمائی ہے، وہ لکھتے ہیں:

> ''...یہی لوگ تھے جنھوں نے جنگ بدر کے موقع پر... اللہ اور رسول کا منشا واضح ہونے کے باوجود مسلمانوں کو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنے کی راہ سجھانے کی کوشش کی، اِنھی لوگوں نے جنگ احد کے موقع پر پہلے تو شہر میں محصور ہو کر مقابلہ کرنے کا مشورہ دیا، پھر جب اِن کا مشورہ قبول نہیں ہوا تو عبد اللہ بن ابی اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر عین موقع پر الگ ہو گیا۔ پھر جنگ کے بعد اِسی کے ہم خیالوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف یہ پروپیگنڈا کیا کہ نعوذ باللہ آپ قوم کے بدخواہ ہیں کہ خیر خواہوں کے مشورے کے خلاف ایک غلط مقام پر لے جا کر ہمارے بھائیوں کو کٹوا دیا اور شکست کا سبب بنے۔ پھر یہی لوگ تھے جنھوں نے جنگ مریسیع کے موقع پر اپنی فتنہ انگیزی سے ایسی صورت پیدا کر دی کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان تلوار چلتے چلتے رہ گئی۔ اِسی سلسلے میں اِن کی ایک نہایت سنگین شرارت واقعۂ افک کی شکل میں ظاہر ہوئی جو بات کا بتنگڑ بنانے کی ایک نہایت گھنونی مثال ہے۔ حنین کے موقع پر تقسیم غنیمت کے معاملے میں اِنھوں نے اپنی بد طینتی سے دلوں میں سخت کدورت پیدا کر دینے کی کوشش کی۔ غرض جو موقع بھی اِن کے ہاتھ آیا، اُس سے فائدہ اٹھا کر اِنھوں نے مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈلوانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۸۵)

۲۰۶؎ یعنی روم جانے کے لیے نہ کہیے کہ مبادا وہاں کوئی فتنہ ہمیں اپنی گرفت میں لے لے۔ روایتوں میں بیان ہوا ہے کہ اِس سے اُن کی مراد رومی عورتوں کے حسن و جمال کا فتنہ تھا۔* یہ اُسی طرح کا عذر ہے، جیسا کہ بعض

* تفسیر القرآن العظیم، ابن کثیر ۲/ ۴۷۵۔

لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا
قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۰﴾ قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ
اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۱﴾ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ
اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ

فتنے میں پڑ چکے[۲۰۷] اور (اب) دوزخ اِن منکروں کو گھیرے ہوئے ہے[۲۰۸]۔ اگر تمھیں کوئی اچھائی پیش آتی ہے تو اِنھیں دکھ ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ (خوب ہوا)، ہم نے پہلے ہی اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور خوش خوش لوٹتے ہیں[۲۰۹]۔ اِنھیں بتا دو کہ ہمیں وہی چیز پہنچے گی جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھی ہے۔ وہ ہمارا مولیٰ ہے اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسا کرنا چاہیے۔ اِن سے کہہ دو کہ تم ہمارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہو، وہ اِس کے سوا کیا ہے کہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے[۲۱۰]۔ لیکن

مدعیان تقویٰ مسجد کی حاضری سے متعلق پیدا کر لیتے ہیں کہ گھر ہی میں نماز پڑھ لیتے ہیں، اِس لیے کہ وہاں جائیں گے تو ریا کے فتنے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

> ''...اگرچہ یہ عذر پیش تو ایک آدھ احمقوں نے ہی کیا ہو گا، لیکن یہ عذر کی ایک ایسی قسم تھی جس پر تقویٰ اور دین داری کا ملمع چڑھانے کی کوشش کی گئی تھی، اِس وجہ سے قرآن نے اِس کا خاص طور پر ذکر فرمایا تا کہ مسلمانوں کو شیطان کے ایک خاص حربے سے آگاہ کر دیا جائے کہ کبھی کبھی وہ تقویٰ کے بھیس میں بھی حملہ آور ہوتا ہے۔'' (تدبر قرآن ۳/ ۵۸۶)

۲۰۷؎ نہایت بلیغ فقرہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تبوک جانا تو دور کی بات ہے، اپنی بدعملی پر فریب کاری کا یہ ملمع چڑھا کر اور اِس طرح کے عذرات پیش کر کے یہ گھر بیٹھے ہی فتنے میں مبتلا ہو چکے ہیں۔

۲۰۸؎ اِس سے دو باتیں واضح ہوئیں: ایک یہ کہ اِس قسم کے تمام بہانے تراشنے والے اگرچہ بظاہر مسلمان بنے ہوئے ہیں، مگر درحقیقت منکر ہیں۔ دوسری یہ کہ تبوک کے سفر سے تو یہ اِس طرح کی بہانہ سازی سے بچ سکتے ہیں، لیکن خدا کی دہکائی ہوئی جہنم سے نہیں بچ سکتے۔ یہ جہاں چاہیں، بھاگ کر دیکھ لیں، وہ ہر طرف سے اِن کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

۲۰۹؎ یہ اُسی کفر سے پردہ اٹھایا ہے جس کا ذکر پیچھے ہوا کہ اِن کے سینے ایمان سے خالی ہیں، اِس لیے کہ اِن کے

www.javedahmadghamidi.com www.almawrid.org

اَوْ بِاَيْدِيْنَا فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾
قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾
وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ
الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْكَ

ہم تمھارے معاملے میں جس چیز کے منتظر ہیں، وہ یہ ہے کہ اللہ تم پر اپنے ہاں سے عذاب بھیجے گا یا ہمارے ہاتھوں سے[۲۱۱]۔ سو انتظار کرو، ہم بھی تمھارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں ہیں۔ ۴۹-۵۲

(اپنے نفاق کو چھپانے کے لیے یہ کچھ نہ کچھ خرچ کرنے کے لیے بھی تیار ہو جاتے ہیں)، (اِن سے) کہہ دو: تم اپنے مال خوشی سے خرچ کرو یا ناخوشی سے، وہ تم سے ہرگز قبول نہ کیے جائیں گے، اِس لیے کہ تم بدعہد لوگ ہو۔ ان کا انفاق درخور قبول نہیں ہے تو اِس کی وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ اِنھوں نے اللہ اور اُس کے رسول سے کفر کیا ہے[۲۱۲] اور نماز کے لیے آتے ہیں تو مارے باندھے آتے ہیں اور خرچ

دلوں میں تو مسلمانوں کے لیے اِس درجے کی بدخواہی بھری ہوئی ہے۔

۲۱۰ یعنی جس سفر کے لیے نکل رہے ہیں، اُس میں کامیابی یا ناکامی۔ یہ دونوں ہمارے لیے بھلائی ہیں۔ اِس لیے کہ پہلی چیز حاصل ہوئی تو اپنے پروردگار کا شکر ادا کریں گے جس کے بعد ازدیاد نعمت کی توقع ہے اور دوسری چیز سے دوچار ہوئے تو صبر و استقامت کے ساتھ اور توبہ وانابت کے جذبے سے اپنی کمزوریوں کی اصلاح کریں گے جس کے نتیجے میں امید ہے کہ دنیا اور آخرت، دونوں میں خدا کی رحمت وعنایت شامل حال ہو جائے گی۔

۲۱۱ اِس کتاب میں کئی جگہ بیان ہو چکا ہے کہ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد خدا کا عذاب بالعموم اِنھی دو صورتوں میں آتا ہے۔ رسول کے ساتھی تعداد میں کم ہوں اور اُنھیں کوئی دارالہجرت بھی میسر نہ ہو سکے تو ابر و باد کے لشکر منکرین کو تباہ کر دیتے ہیں۔ وہ معتد بہ تعداد میں ہوں اور کسی سرزمین میں اُن کے لیے آزادی اور تمکن کے ساتھ رہنے بسنے کا سامان بھی ہو جائے تو اُن کی تلواریں بے نیام ہوتی ہیں اور منکرین حق کا استیصال کر دیتی ہیں۔

۲۱۲ یعنی حقیقت میں کفر کیا ہے، اِس لیے کہ اللہ و رسول پر ایمان کے جو تقاضے ہیں، یہ اُن میں سے کسی کو بھی پورا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com

اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ
اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾
وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾
لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِى الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا

کرتے ہیں تو بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں۔ سو اِن کے مال و اولاد کو کچھ وقعت نہ دو۔[۲۱۳] اللہ تو (اب) یہ چاہتا ہے کہ اِن کے ذریعے سے اِنھیں دنیا کی زندگی میں عذاب دے اور اِن کی جانیں اِس حالت میں نکلیں کہ یہ کافر ہوں۔[۲۱۴] ۵۳-۵۵

یہ خدا کی قسمیں کھا کھا کر اطمینان دلاتے ہیں کہ تم میں سے ہیں، دراں حالیکہ یہ تم میں سے نہیں ہیں، بلکہ ایسے لوگ ہیں جو ڈرتے ہیں۔[۲۱۵] اگر یہ کوئی ٹھکانا، کوئی غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ پا لیتے تو رسی تڑا کر اُدھر بھاگ کھڑے ہوتے۔[۲۱۶] ۵۶-۵۷

اِن میں ایسے بھی ہیں، (اے پیغمبر) جو صدقات[۲۱۷] (کی تقسیم) کے معاملے میں تم پر عیب لگاتے

---

۲۱۳ یعنی اِس بنا پر اِن سے دین کی کسی سچی خدمت کی توقع نہ کرو، اِس لیے کہ یہ مال و اولاد اِن کے لیے آخرت میں کسی بڑے مرتبے کو حاصل کرنے کا ذریعہ نہیں، بلکہ غلامی کا پھندا ہے۔ اپنی گردنیں یہ اب اِس پھندے سے چھڑا نہ سکیں گے۔

۲۱۴ اللہ کا یہ چاہنا اُس سنت کے مطابق ہے جو اُس نے لوگوں کی ہدایت اور گمراہی کے لیے مقرر کر رکھی ہے۔ اِس کی وضاحت ہم پیچھے ایک سے زیادہ مقامات میں کر چکے ہیں۔

۲۱۵ یعنی اِس بات سے ڈرتے ہیں کہ تم سے الگ ہو گئے تو اُسی انجام کو پہنچا دیے جائیں گے جو اِس سے پہلے کفار و مشرکین اور یہود و نصاریٰ کے لیے بیان ہو چکا ہے۔

۲۱۶ یعنی جانتے ہیں کہ اب فرار کا کوئی راستہ باقی نہیں رہا، ورنہ بھاگ کر کہیں پناہ لے چکے ہوتے۔

۲۱۷ اِن میں زکوٰۃ بھی شامل ہے، مگر یہ لفظ اُس کی نسبت عام ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

مِنۡهَآ اِذَا هُمۡ يَسۡخَطُوۡنَ ﴿۵۸﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ رَضُوۡا مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَقَالُوۡا
حَسۡبُنَا اللّٰهُ سَيُؤۡتِيۡنَا اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ وَرَسُوۡلُهٗۤ اِنَّاۤ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوۡنَ ﴿۵۹﴾ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ
لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ وَالۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَالۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَفِى الرِّقَابِ وَالۡغٰرِمِيۡنَ
وَفِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَابۡنِ السَّبِيۡلِ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۰﴾

ہیں۔(یہ وہ لوگ ہیں جنھیں لالچ نے تمھارے ساتھ باندھ رکھا ہے[۲۱۸])۔ چنانچہ اگر اُس مال میں سے اِنھیں دیا جائے تو راضی رہتے ہیں اور نہ دیا جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں۔ (اِن کے لیے کہیں بہتر ہوتا)، اگر یہ اُس پر راضی رہتے جو اللہ اور اُس کے رسول نے اِنھیں دیا تھا اور کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے[۲۱۹]۔ اللہ آگے اپنے فضل سے ہم کو بہت کچھ دے گا اور اُس کا رسول بھی۔ ہمیں تو اللہ چاہیے۔ (اِنھیں بتا دو کہ) صدقات تو درحقیقت فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہیں اور اُن کے لیے جو اُن کے نظم پر مامور ہوں، اور اُن کے لیے جن کی تالیف قلب مطلوب ہے۔ نیز اِس لیے کہ گردنوں کے چھڑانے میں اور تاوان زدوں کے سنبھالنے میں اور خدا کی راہ میں اور مسافروں کی بہبود کے لیے خرچ کیے جائیں۔ یہ اللہ کا مقرر کردہ فریضہ ہے اور اللہ علیم و حکیم ہے[۲۲۰]۔ ۵۸-۶۰

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

”... اِس میں وہ تمام عطایا شامل ہیں جو بہ نیت اجر و ثواب دیے جائیں۔ عام اِس سے کہ وہ زکوٰۃ کا مال ہو یا انفاق و تبرع کی نوعیت کا کوئی اور مال۔ چونکہ اِسی انفاق سے آدمی کے ایمان کی صداقت اور پختگی واضح ہوتی ہے، اِس وجہ سے اِس کو صدقہ کہتے ہیں جس کی اصل ’صدق‘ ہے جس کی روح قول و فعل کی کامل مطابقت اور رسوخ و استحکام ہے۔“ (تدبر قرآن ۳/۵۹۱)

۲۱۸ اوپر مال دار منافقین کا ذکر تھا۔ چنانچہ فرمایا کہ اِنھیں خوف نے تمھارے ساتھ باندھ رکھا ہے۔ اب یہ اُن منافقین کا ذکر ہو رہا ہے جو مال دار نہیں تھے۔

۲۱۹ یہ شرطیہ جملہ ہے جس کی جزا اصل میں حذف کر دی گئی ہے تاکہ وہ شدت نمایاں ہو جائے جو متکلم اِس جملے سے پیدا کرنا چاہتا ہے۔ ہم نے ترجمے میں اُسے کھول دیا ہے۔ عربی زبان میں یہ اسلوب اِسی طریقے سے زجر، شفقت، حسرت و ملامت اور التفات و عنایت کے پہلوؤں کو نمایاں کرنے کے لیے بھی اختیار کیا جاتا ہے۔

۲۲۰؎ مطلب یہ ہے کہ بیت المال میں جو صدقات جمع ہوتے ہیں، وہ اُن مصارف کے لیے خاص ہیں جو نظم اجتماعی کی ضرورتوں اور ذمہ داریوں کے لحاظ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اُنھیں خدا نے اپنے علم و حکمت سے مقرر فرمایا ہے، لہٰذا صدقات اُنھی میں تقسیم ہو سکتے ہیں۔ یہ مال کے حریص ناخواندہ مہمانوں کے لیے نہیں ہیں اور نہ اُن کی خواہشوں کے مطابق تقسیم کیے جا سکتے ہیں۔

آیت میں جو مصارف بیان ہوئے ہیں، اُن کی تفصیل یہ ہے:

فقرا و مساکین کے لیے۔ فقیر کا لفظ اُس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جو اپنی معیشت کے لیے دوسروں کی مدد کا محتاج ہو۔ یہ غنی کا مقابل ہے اور ہر قسم کے حاجت مندوں کے لیے عام ہے۔ مسکین اِس کے مقابل میں سخت ہے۔ مسکنت کے لفظ میں عاجزی، درماندگی، بے بسی اور بے چارگی شامل ہے۔ اِس اعتبار سے مسکین اُسے کہا جائے گا جو عام حاجت مندوں کی بہ نسبت زیادہ خستہ حال ہو۔

'العاملین علیھا'، یعنی ریاست کے تمام ملازمین کی خدمات کے معاوضے میں۔ اِس لیے کہ ریاست کے تمام ملازمین درحقیقت 'العاملین علی اخذ الضرائب وردھا الی المصارف' ہی ہوتے ہیں۔ 'متصدقین' یا اِس طرح کے بعض دوسرے الفاظ کے بجائے قرآن نے یہ لفظ اسی مدعا کو ادا کرنے کے لیے اختیار کیا ہے۔

'المؤلفة قلوبھم'، یعنی اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں تمام سیاسی اخراجات کے لیے۔

'فی الرقاب'، یعنی ہر قسم کی غلامی سے نجات کے لیے۔

'الغارمین'، یعنی کسی نقصان، تاوان یا قرض کے بوجھ تلے دبے ہوئے لوگوں کی مدد کے لیے۔

'فی سبیل اللّٰہ'، یعنی دین کی خدمت اور لوگوں کی بہبود کے کاموں میں۔

'ابن السبیل'، یعنی مسافروں کی مدد اور اُن کے لیے سڑکوں، پلوں، سراؤں وغیرہ کی تعمیر کے لیے۔

یہاں یہ امر ملحوظ رہے کہ زکوٰۃ اور دوسرے تمام صدقات جس طرح فرد کے ہاتھ میں دیے جا سکتے ہیں، اُسی طرح اُس کی بہبود کے کاموں میں بھی خرچ کیے جا سکتے ہیں۔ اِن کے مصارف پر تملیک ذاتی کی جو شرط بالعموم عائد کی جاتی ہے، اُس کے لیے کوئی ماخذ قرآن و سنت میں موجود نہیں ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

''ہمارے فقہا کا ایک گروہ 'اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ' کے 'ل' کو تملیک ذاتی کے مفہوم کے لیے خاص کرتا ہے اور پھر اس سے یہ نتیجہ نکال لیتا ہے کہ صدقات و زکوٰۃ کی رقوم فقرا و مساکین کی کسی ایسی اجتماعی بہبود پر صرف نہیں ہو سکتیں جس سے ملکیت ذاتی تو کسی کی بھی قائم نہ ہو، لیکن اُس کا فائدہ بحیثیت مجموعی سب کو پہنچے۔ ہمارے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

نزدیک یہ راے کسی مضبوط دلیل پر مبنی نہیں ہے۔ اول تو ’ل‘ کچھ تملیک ہی کے معنی کے لیے خاص نہیں ہے، بلکہ یہ متعدد معانی کے لیے آتا ہے اور اِن سب معانی کے لیے یہ خود قرآن میں استعمال ہوا ہے، تملیک ذاتی ہی کے معنی کے لیے اِس کو خاص کر دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ آخر بہبود، نفع رسانی اور استحقاق کے معانی کے لیے بھی جب اِس کا استعمال معروف ہے تو اِن معانی میں یہ کیوں نہ لیا جائے؟ پھر آیت میں آپ نے دیکھا کہ بعض چیزیں ’فی‘ کے تحت بیان ہوئی ہیں اور ’فی‘ کا متبادر مفہوم تملیک نہیں، بلکہ خدمت، مصرف، رفاہیت اور بہبود ہی ہے۔‘‘

(تدبر قرآن ۳/ ۵۹۳)

[باقی]

---

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com